رضوان اللہ

نوح کا بیٹا

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ نوح علیہ السلام بحیثیت رسول مبعوث کیے گئے تھے۔ انھوں نے شرک جیسی غلاظت میں مبتلا اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ، پروردگارِ عالم حقیقی معبود ہے، اس لیے صرف اس کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔ اور یاد رکھو، اگر تم نے میری بات نہ مانی اور اپنی روش سے باز نہ آئے تو تم پر ایک دردناک عذاب آ کر رہے گا۔ انھوں نے اِنذار کا یہ کام نو سو پچاس برس کی طویل مدت تک کیا اور اس میں اپنی سب صلاحیتیں کھپا دیں اور اپنے ذہن اور جسم کی ساری طاقت نچوڑ دی۔ لیکن ان کی اس خیرخواہی اور دل سوزی کا جواب قوم نے یہ دیا کہ ان پر بے جا قسم کے اعتراضات کیے اور ضد اور مکابرت میں آ کر ان کو جھٹلا کر رکھ دیا۔ چنانچہ اللہ نے منکروں پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب یہ عذاب آن پہنچا اور طوفان ابل پڑا تو اس نے نوح کو حکم دیا کہ وہ ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لیں اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کشتی میں سوار کرا لیں، سوائے ان کے جن کے بارے میں حکم صادر ہو چکا ہے، اور ان کو بھی سوار کرا لیں جو ایمان لائے ہیں۔

یہ کشتی جب پہاڑوں کی طرح اٹھتی ہوئی موجوں کے درمیان میں انھیں لیے ہوئے چلنے لگی تو نوح نے دیکھا کہ ان کا بیٹا ان سے الگ کچھ فاصلے پر کھڑا ہے۔ انھوں نے نہایت درمندی اور شفقت سے اس کو آواز دی کہ بیٹا، آؤ ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور ان منکروں کے ساتھ نہ رہو۔ لیکن بیٹے نے جواب میں کہا کہ میں ابھی پہاڑ پر چڑھ کر اس طوفان سے بچ جاؤں گا۔ نوح نے جواب دیا کہ آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہے، مگر جس پر وہی رحم فرمائے۔ اتنے میں ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہوئی اور ان کا بیٹا بھی دوسرے منکروں کی طرح ڈوب کر رہا۔

اس کے بعد عذاب تھم جانے کا حکم دے دیا گیا۔ نوح نے اپنے رب کو پکارا: 'رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ' پروردگار، میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس پر ارشاد ہوا: 'اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ' اے نوح، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، وہ نہایت نابکار ہے۔ سو مجھ سے اس چیز کے بارے میں سوال نہ کرو جس کا تجھے کچھ علم نہیں ہے۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنو۔ نوح نے فوراً عرض کیا کہ پروردگار، میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے کوئی ایسی چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ اور اگر تو مجھے معاف نہ کرے گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں نامراد ہو جاؤں گا۔

اس واقعہ میں سیدنا نوح کا خدا سے کہنا: 'اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ' اور اس کے جواب میں خدا کا یہ کہنا: 'اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ'، اس ساری بات کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں علماے تفسیر سے متعدد آرا منقول ہیں۔ ان میں سے چند نمایاں آرا مندرجہ ذیل ہیں:

ایک راے کے مطابق صورت واقعہ یہ ہے کہ جب نوح علیہ السلام کا بیٹا خدا کے عذاب کی لپیٹ میں آ گیا تو انھیں اس بات پر حیرت آمیز دکھ ہوا۔ دکھ اس لیے کہ وہ بہرحال ان کا بیٹا تھا۔ حیرت اس بات پر کہ اللہ نے انھیں حکم دیا تھا کہ کشتی میں اپنے گھر والوں اور دوسرے ایمان والوں کو سوار کرا لو اور اس کا مطلب، ظاہر ہے یہی تھا کہ یہ لوگ اس عذاب سے بچ جائیں گے۔ مگر یہ کیا ہوا کہ محض اس بات پر کہ وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا، عذاب کا شکار ہو گیا۔ اس پر انھوں نے شکایت کی: 'رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ' پروردگار، میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے تھا۔ اس پر خدا نے جواب دیا کہ تمھاری حیرت اپنی جگہ صحیح ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ 'اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ' وہ تمھارا بیٹا تھا ہی نہیں، بلکہ 'اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ' وہ تو ایک ناجائز اولاد تھا۔ اس بات کا تمھیں علم نہیں ہے، اس لیے اس چیز کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرو۔

یہ تفسیر بعض وجوہ کی بنیاد پر صحیح معلوم نہیں ہوتی:

اولاً، اس کی بنا اس خیال پر ہے کہ اللہ کا نوح سے وعدہ تھا کہ ان کے اہل محض ان کے اہل ہونے کی وجہ سے عذاب سے بچ جائیں گے۔ اس لیے جب ان کا بیٹا غرقاب ہوا تو وہ خدا سے شکوہ کناں ہوئے۔ دراں حالیکہ ہم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جانتے ہیں کہ دین میں اصل اہمیت حسب اور نسب کی نہیں، بلکہ ایمان اور عمل کی ہے۔ اور یہ ایسی صریح بات ہے کہ جس سے ایک عام آدمی بھی واقف ہے،، چہ جائیکہ سمجھا جائے کہ اللہ کے رسول اس سے واقف نہ تھے۔ یا وہ واقف تو تھے، مگر انھوں نے محض اولاد کی محبت میں اس کو بھلا دیا۔ اصل میں یہ مغالطہ ایک لفظ کا صحیح معنی متعین نہ ہو سکنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ انھیں حکم ہوا تھا: 'احۡمِلۡ فِیۡهَا مِنۡ کُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡهِ الۡقَوۡلُ وَمَنۡ اٰمَنَ'۔ یہاں ایک لفظ 'اَهۡل' آیا ہے جس کا معنی گھر والے ہیں اور ان حضرات نے اس کا یہی مطلب لے لیا ہے۔ حالاں کہ یہ لفظ یہاں تخصیص میں جا کر استعمال ہوا ہے، یعنی اس سے سب اہل نہیں، بلکہ وہ اہل مراد ہیں جو ایمان لا چکے ہیں۔ حکم کا موقع و محل اور اس لفظ پر 'وَمَنۡ اٰمَنَ' کا عطف، خود اس تخصیص پر دلیل ہے۔ نیز سلبی پہلو سے دیکھا جائے تو 'اَهۡل' میں سے 'اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡهِ الۡقَوۡلُ' کا استثنا بھی یہی بیان کر رہا ہے کہ اب اس سے مراد بے ایمان اہل نہیں ہیں۔

ثانیاً، اللہ کی صفت ستار اور پھر الہامی کتاب، خاص طور پر قرآن مجید کی شان سے یہ بات نہایت فروتر نظر آتی ہے کہ وہ اس طرح کے موضوعات کو زیر بحث لائے اور لوگوں کے جائز اور ناجائز اولاد ہونے کے فیصلے سنائے۔ نیز اس رائے کے نتیجے میں نوح کی بیوی پر بدچلنی کا جو الزام لگا دیا گیا ہے، اس کو مان لینا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ نبی اپنی قوم کا اخلاقی رہنما ہوتا ہے، اس لیے گھر کے ایک سربراہ کی حیثیت سے بھی اس پر کوئی حرف نہ آنا چاہیے۔ وگرنہ اخلاقی حیثیت کو کھو دینے کی وجہ سے، بالخصوص ایک بدکار عورت کے شوہر ہونے کے ناتے، کون اس قابل رہتا ہے کہ لوگوں کو اخلاق کی تعلیم دے سکے۔ چنانچہ یہ تو ہوا ہے کہ نبی کی کوئی بیوی کفر کا ارتکاب کرے، مگر جہاں تک اخلاق کی بات ہے تو وہ خود اور اس کی ازواج اخلاق کی اس بلند سطح پر ہوتے ہیں کہ کسی کو الزام دھرنے کا موقع نہیں ملتا[1]۔ بلکہ اگر کہیں بعض معاند اور شرارتی عناصر اللہ کے رسول کے گھر کو ہدف تنقید بنانا چاہتے ہیں تو اللہ ایسا بالکل نہیں ہونے دیتا۔ اس کی تفصیل کے لیے سورۂ نور اور احزاب دیکھ لی جا سکتی ہیں جہاں محمد رسول اللہ کے گھرانے پر اٹھائے گئے اخلاقی اعتراضات کا خدا نے مسکت جواب دیا اور اس شر سے بچنے کی تدابیر تک بتائی ہیں۔ مزید یہ کہ 'فَخَانَتٰهُمَا'[2] کے جس لفظ سے نوح کی بیوی کو بدچلن ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اتنی بڑی بات کہنے کے لیے یہ لفظ صریح

---

[1] چنانچہ ابن عباسؓ کی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کبھی بھی کسی نبی کی عورت نے بدکاری نہیں کی۔ طبری ۱۵/ ۱۴۴۔
[2] التحریم ۶۶: ۱۰۔

بالکل نہیں ہے۔

ثالثاً، ان حضرات کے استدلالات سے قطع نظر، قرآن نے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ وہ نوح کا حقیقی بیٹا ہی تھا۔ نوح کے الفاظ 'یٰبُنَیَّ' سے ہوسکتا تھا احتمال پیدا ہو کہ نوح اس لیے اس کو اپنا بیٹا کہہ رہے کہ وہ حقیقت حال سے انجان ہیں، مگر جب اللہ خود یہ بیان کر دے کہ نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی تو اس معاملے میں اس سے زیادہ واضح کوئی اور بات نہیں ہوسکتی۔ الفاظ یہ ہیں: 'وَنَادٰی نُوْحُ ابْنَهٗ'۔

اس کے مقابل میں بعض علماے تفسیر اس واقعہ کی ایک اور طرح سے توجیہ کرتے ہیں۔ ان کے مطابق یہاں مسئلہ حسب ونسب پر نجات اور کسی اولاد کے جائز یا ناجائز ہونے کا نہیں ہے۔ ڈوبنے والا نوح کا حقیقی بیٹا تھا اور ان پر یہ بات پہلے سے واضح تھی کہ 'وَاَهْلَكَ' سے مراد ان کے اہل میں سے صرف ایمان والے ہیں۔ لیکن یہ حادثہ چونکہ بڑی اہم نوعیت کا تھا جس میں ان کا اپنا بیٹا بھی جان گنوا بیٹھا، اس لیے انھوں نے شفقت پدری سے مجبور ہو کر خدا سے شکایت کی کہ اے پروردگار، وہ جیسا بھی تھا، بہرحال میرے اہل میں سے تھا۔ اس پر اللہ نے ان کو سخت انداز میں تنبیہ کی کہ 'اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ' وہ تیرے اُن اہل میں سے نہیں تھا جن کی نجات کے بارے میں بات ہوئی تھی۔ اس لیے 'اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ' تیرا اس کے لیے مجھ سے یہ بات کرنا ایک ناروا فعل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تجھے ان باتوں کا علم نہیں ہے۔ چنانچہ مجھ سے اس معاملے میں بات نہ کر و جس کا تجھے کچھ علم نہیں ہے۔

یہ توجیہ بھی ایسی نہیں کہ جس کو آسانی سے قبول کر لیا جا سکتا ہو۔ اس کے مان لینے میں بھی کچھ موانع موجود ہیں:

اول یہ کہ 'اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ' اور 'اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ' کے جملے کچھ اس طرح آپس میں پیوست ہیں کہ یہ فرض کر لینا کہ ان میں ایک 'اِنَّهٗ' کا مرجع نوح کا بیٹا اور دوسرے کا مرجع اس کے بجائے نوح کا کوئی عمل ہے، بہت زیادہ تکلف برتے بنا ممکن نہیں ہے۔ مزید یہ کہ اس صورت میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پہلا جملہ ابھی اپنے تتمہ کا منتظر تھا اور ایک دم کوئی دوسری بات اس کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے۔ یہ کلام کا وہ عیب ہے جو قرآن کے ایک عام درجے کے طالب علم کے مزاج پر بھی گراں گزرتا ہے۔

دوم یہ کہ اس رائے کے مطابق نوح علیہ السلام کے بارے میں جو نا زیبا بات فرض کرنی پڑتی ہے، وہ حسب نسب کی علت سے بھی بڑھ کر غلط ہے۔ وہ یہ کہ نوح جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ بیٹا عذاب کا مستحق ہے، اس پر متعجب ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ متردد اور شکوہ کناں بھی ہیں۔ حالاں کہ ایک رسول کہ جس کو مطاع بنا کر بھیجا جاتا ہے، جس کی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

شہادت پر خدا عذاب کو اتارنے یا نہ اتارنے کا فیصلہ کرتا ہے اور جس کو یہ منصب ہر طرح کی دنیوی آلایشوں اور علائق سے پاک ہو کر نبھانا ہوتا ہے، اس کے بارے میں آخر یہ کیسے مان لیا جائے کہ اس شہادت کی زد جب اس کے اپنے اہل پر پڑے گی تو اس کے سارے پیمانے بدل جائیں گے اور سب کچھ جذبات کی نذر ہو جائے گا؟

سوم یہ کہ رسولوں کے اس عمومی رویے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں خاص نوح علیہ السلام کے مزاج اور ان کی طبیعت کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اس کی موجودگی میں بھی یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ ان پر شفقت پدری کا جذبہ غالب آ گیا ہوگا۔ کیونکہ یہ نوح وہی ہیں، جو اتمام حجت ہو جانے کے بعد دین اور حق کی غیرت میں یہاں تک چلے گئے ہیں کہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ 'وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا'[3] کہ ان ظالموں کی گمراہی میں اضافہ ہی کر۔ پھر کس دینی حمیت سے کہتے ہیں کہ 'رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا'[4] کہ پروردگار، ان منکروں میں سے تو اب کسی کو زمین پر نہ چھوڑ اور 'وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا'[5] کہ ان ظالموں کے لیے اب ان کی بربادی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔ اب ان کے بارے میں کوئی کس طرح فرض کر لے کہ وہ محض اولاد کی محبت میں ساڑھے نو سو سال کی دعوت اور اس کی بنیادیں، یوں منہدم یا بے قدر کر دیں گے؟[6]

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

اس واقعہ کی تیسری توجیہ آج کے بعض اہل علم کی طرف سے پیش کی گئی ہے۔ اس کے مطابق نوح علیہ السلام کا بیٹا منکر اور کافر نہ تھا۔ اس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ عذاب آ جانے کے بعد قوم کو چھوڑ کر نوح کے ساتھ کشتی میں سوار نہیں ہوا جو کہ نجات کی بنیادی شرائط میں سے تھا۔ لیکن اس میں ایمان جو خود نجات کی بنیادی شرط ہے، بہر حال موجود تھا، اس لیے نوح کو رنج ہوا اور انھوں نے خدا سے شکوہ کیا۔ اس پر انھیں متنبہ کر دیا گیا کہ شرطوں کو پورا کیے بغیر کسی کے لیے بھی نجات مقدر نہیں ہوتی۔

اس تاویل میں یہ مثبت کوشش ہوئی ہے کہ کسی طرح سیدنا نوح پر اٹھنے والے اعتراضات کو کم کیا جائے تاکہ ان پر جاہلی عصبیتوں کا اسیر ہونے یا ایمان کے معاملے میں کسی کمزوری کی تہمت نہ آ سکے۔ اس لحاظ سے یہ رائے حد درجہ

۳؎ نوح ۷۱:۲۴۔

۴؎ نوح ۷۱:۲۶۔

۵؎ نوح ۷۱:۲۸۔

۶؎ دین کے معاملے میں نوح کے اس مزاج کو رسول اللہ نے بھی بیان فرمایا ہے جب بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت عمر کی سخت رائے پر ان کو نوح سے تشبیہ دی ہے۔ مسند احمد ۱۳۸/۶۔

معقول محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جب قرآن کے الفاظ اور اس کے سیاق پر نظر ڈالی جائے تو اس رائے پر بھی کچھ سوالات پیدا ہو جاتے ہیں جن کا جواب نہ ملے تو علم و عقل کا کسی طرح اطمینان نہیں ہوتا:

پہلی بات یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کے مکالمے کو سرسری ہی دیکھ لیا جائے تو یہ بات مان لینے کی رتی بھر گنجایش نہیں رہتی کہ بیٹے کے جواب کو اس شخص کا جواب سمجھ لیا جائے جس کے دل میں کچھ بھی ایمان موجود ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب اُس شخص کا ہے جو ایمان سے بالکل تہی دامن اور اس موقع پر مسلسل تکذیب اور انکار کی ہٹ پر قائم ہے۔ نوح نہایت شفقت بھرے انداز میں جس میں انتہا درجے کی دردمندی بھی جھلک رہی ہے، اس سے کہتے ہیں: 'یٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا وَ لَا تَکُنۡ مَّعَ الۡکٰفِرِیۡنَ' بیٹا، آؤ ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور ان منکروں کے ساتھ نہ رہو تو اس کی ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ وہ اس نازک موقع پر باپ کی نصیحت کو پر کاہ کی حیثیت نہیں دیتا اور اس پرخلوص دعوت کو یہ کہہ کر ہوا میں اڑا دیتا ہے: 'سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ' کشتی پر سوار ہونا کیا ضروری ہے؟ میں ابھی پہاڑ پر چڑھ بیٹھوں گا اور اس طرح اس پانی سے بچ جاؤں گا۔ گویا اس کے نزدیک یہ معاملہ نہ اسلام اور کفر کا ہے اور نہ یہ خدا کا عذاب ہی ہے، بس عام سا کوئی طوفان ہے جس سے بچنے کے لیے کوئی اونچی چٹان کفایت کرتی ہے۔ اس کی ایمان سے محرومی اس لیے بھی واضح ہے کہ جب باپ اور بیٹے کا مکالمہ ختم ہوا اور وہ غرقاب ہو گیا تو اس پر اللہ نے 'فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ' کے الفاظ کے ساتھ تبصرہ کیا۔ ظاہر ہے، ان الفاظ سے مراد محض یہ نہیں ہے کہ وہ ڈوب جانے والوں میں شامل ہو گیا، بلکہ اس موقع کی رعایت سے ان کا مطلب سمجھا جائے تو وہ یہ ہے: وہ بھی انھی میں جا شامل ہوا جو اپنے کفر اور انکار کی وجہ سے ڈوب مرے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن کا اسلوب یہ بھی بتا دیتا ہے کہ اس کا کسی درجے میں مسلمان ہونا تو کجا، یہ آخری درجے کا کافر ہے۔ یہ رسول کے اہل میں سے تھا، اس لیے دوسروں سے بڑھ کر اس کو ہدایت کا طالب ہونا چاہیے تھا، مگر اس نے گھر میں موجود ہدایت کی بے قدری کی اور اس کا منکر ہو گیا، حتیٰ کہ آخری وقت کی نصیحت کو بھی درخور اعتنا نہ جانا۔ چنانچہ جب یہ ڈوب گیا تو حکم ہوا: 'یٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآءَکِ وَ یٰسَمَآءُ اَقۡلِعِیۡ' اے زمین، اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان، تھم جا۔ گویا یہ عذاب اصلاً آیا ہی اس کے لیے تھا۔ یہ ڈوب مرا تو عذاب بھی اپنے اختتام کو پہنچ گیا اور کہہ دیا گیا: 'بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ' ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہو۔

دوسرا یہ کہ قرآن نے 'اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اگر بات یہی ہوتی کہ اس کو صرف کشتی میں نہ بیٹھنے کی وجہ سے عذاب ہوا تو اس کے لیے پھر موزوں ترین الفاظ یہ ہوتے: 'اِنَّہٗ عَمِلَ غَیۡرَ صَالِحٍ' کہ اس کو ہم نے اس لیے سزا دی کہ اس نے ایک غلط کام کیا۔ لیکن قرآن نے یہاں فعل کے بجائے مصدر استعمال

کیا ہے جس سے مقصود اس عمل میں مبالغہ لانا ہے۔ چنانچہ اب اس کا ترجمہ یہ نہیں ہے کہ اس نے ایک غلط کام کیا تھا، بلکہ درست ترجمہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑا غلط کار تھا۔

تیسرا یہ کہ اس رائے سے سیدنا نوح پر ہونے والے کچھ اعتراضات تو رفع ہو جاتے ہیں، مگر ان سے مختلف ایک اور سنگین اعتراض آن وارد ہوتا ہے۔ نوح پوری قوم کے لیے اِتمام حجت کا ذریعہ ہیں، مگر اس رائے کے مطابق تادمِ شکوہ انھیں معلوم نہیں ہے کہ خدا کے عذاب سے بچنے کی بنیادی شرطیں کیا ہیں۔ حتیٰ کہ یہ سارا معاملہ جب اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتا ہے تو کہیں اس وقت جا کر اللہ اس کم علمی پر انھیں تنبیہ کرتے ہیں: 'فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ'۔ دراں حالیکہ ہم جانتے ہیں کہ موعودہ عذاب اتنی ہلکی چیز نہیں ہوتا کہ اس کی بنیادی شرطیں واضح ہو جانے کے بغیر اس کو اتار دیا جائے۔ یہ خدا کا عذاب ہوتا ہے، اس لیے وہ خود اس کی براہ راست نگرانی کرتا اور اس کے ہر ہر مرحلے کے بارے میں رسول کو ہدایات دیتا ہے۔ رسول کی یہ منصبی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس کے متعلق چیزوں کو کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کر دے اور اس معاملے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ اس طرح جب حق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے اور مجرموں پر عذاب اترا چاہتا ہے تو اس سے پہلے مختلف طریقوں سے رسول کے ساتھیوں اور مخالفین کو علیحدہ کیا جاتا ہے۔ ان کو آپس میں ممیّز کرنے کا یہ عمل بھی چونکہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس کو بھی رسول بڑی تفصیل سے بیان کرتا اور اس کے لیے جو عملی اقدامات کیے جا سکتے ہوں ان کو عمل میں لاتا ہے۔ چنانچہ سیدنا نوح کے بارے میں یہ بات فرض کر لینا کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ان کو آخر وقت تک پتا نہ ہو کہ کشتی میں سوار ہونا نجات کی بنیادی شرط ہے۔ بلکہ قرآن کے الفاظ اس معاملے میں بالکل واضح ہیں کہ نوح علیہ السلام کو ممیّز کرنے کی اس شرط کا علم تھا اور اس کے مضمرات سے بھی وہ واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے عذاب آنے سے پہلے اپنی دعا میں اپنے گھر کے حوالے سے اس کا ذکر کیا تھا: 'رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا'[7] میرے مالک تو مجھے معاف فرما دے میرے ماں باپ کو معاف فرما دے، ان سب کو معاف فرما دے جو میرے گھر میں مومن ہو کر داخل ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کشتی میں سوار ہوئے تو فرمایا: 'بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'[8]۔ اس کشتی کا چلنا اور ٹھیرنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔ میرا پروردگار بخشنے والا ہے، اس کی شفقت ابدی ہے۔ گویا کشتی میں سوار ہونا ہی اب اللہ کی مغفرت اور رحمت کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے انھوں نے بیٹے سے کہا تھا: 'ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ'

---

[7] نوح ۷۱: ۲۸۔

[8] ھود ۱۱: ۴۱۔

کشتی میں آن بیٹھو اور ان کافروں کے ساتھ نہ رہو۔ اور اسی لیے انھوں نے فرمایا تھا: 'لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ'، کشتی میں بیٹھ جاؤ، وگرنہ کوئی اور چیز اللہ کے اس عذاب سے نہ بچا سکے گی۔

یہ چند مسائل ہیں جن کی وجہ سے مذکورہ توجیہات پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔ سو ہماری راے میں ان آیتوں کی ایک اور توجیہ ہو سکتی ہے جس سے یہ سوالات ختم ہو جاتے اور سب اعتراضات رفع ہو جاتے ہیں اور بات کچھ بن سی جاتی ہے۔ (وگرنہ حقیقی علم تو اللہ ہی کے پاس ہے)۔

ہمارے مطابق یہاں نوح کے بیٹے کی ولدیت زیر بحث ہے نہ وہ حقیقت میں مسلمان یا پھر کھلا کافر ہے اور نہ نوح کسی طور پر اللہ سے شکوہ کناں ہی ہیں۔ پھر اصل بات کیا ہے؟ سورۂ ھود اور قرآن کے دوسرے مقامات کی روشنی میں اس کی سادہ صورت یہ بنتی ہے:

اتمام حجت ہو جانے کے بعد اللہ نے نوح کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔ جب عذاب آ پہنچا تو فرمایا کہ اس میں ایمان والوں کو سوار کرا لو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کرا لو، سواے ان کے جو کفر پر قائم ہیں اور اس لیے ان کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے۔ سو نوح نے ایسا ہی کیا۔ جب کشتی ان کو لے کر چل پڑی تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا بیٹا ان سے الگ ہو کر کھڑا ہے۔ یہ اس کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی اس کشتی میں سوار ہو جائے۔ لیکن وہ انکار کرتا ہے اور نتیجتاً عذاب کی لپیٹ میں آ کر غرق ہو جاتا ہے۔ نوح جانتے ہیں کہ نجات کے لیے ایمان کے ساتھ ساتھ کشتی پر سوار ہونا بھی لازم تھا، اس لیے اس کے ڈوب جانے پر انھیں خدا سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ وہ اس کے سامنے شکوہ کناں ہوتے ہیں۔ البتہ جب عذاب تھم جاتا ہے اور کشتی کوہ جودی پر جا ٹکتی ہے تو وہ اس کی اخروی نجات کے لیے بس دعا کرتے ہیں۔

ان کی اس دعا کا محرک جس طرح شفقت پدری کا جذبہ ہے، اسی طرح ان کا یہ خیال ہے کہ وہ اُس مسلمان کے لیے دعا کر رہے ہیں جو عذاب سے بچنے کی محض ایک شرط پوری نہ کر سکا۔ ان میں سے پہلی چیز قطعاً معیوب نہیں۔ یہ تو درمندی اور خیر خواہی کا وہ جذبہ ہے جو ہر اچھے انسان میں اپنی اولاد کے لیے اور ہر مسلمان داعی میں اپنے مخاطبین کے لیے ضرور پایا جاتا ہے۔ اللہ کے ہاں یہ اس قدر پسندیدہ ہے کہ ابراہیمؑ نے جب اپنے باپ کے لیے دعا کی تو اس نے 'اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ'[9] کہہ کر اس جذبے کی تعریف کی۔ جہاں تک نوح کا اُس ''مسلمان'' کے لیے دعا کرنا ہے جو نجات کا ایک تقاضا پورا نہ کر سکا تو یہ بھی کچھ غلط نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نبیؐ اکرم نے ان لوگوں کے لیے دعائیں کیں، جن کے سینوں کا نفاق اب چھپی ہوئی چیز نہ رہا تھا۔ ابراہیمؑ کا معاملہ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ وہ اپنے اس باپ

---

9 التوبہ ۹: ۱۱۴۔

کے لیے بھی خدا سے درخواست کرتے ہیں، جو واضح طور پر کافر ہے۔ بلکہ سیدنا نوح کا رویہ تو اس معاملے میں حد درجہ احتیاط پر مبنی ہے۔ اول تو وہ دعا کرنے ہی میں متردد نظر آتے ہیں، جیسا کہ 'وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ...' میں 'قَالَ' پر آنے والا حرف 'ف' بتا رہا ہے۔ وگرنہ یہ اس کے بغیر آتا، جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں آیا ہے: 'اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا قَالَ رَبِّ ...[10]'۔ دوم یہ کہ انھوں نے کھلے لفظوں میں اس کے لیے کوئی سفارش نہیں کی۔ صرف یہ عرض کیا ہے کہ پروردگار، اس سے غلطی ضرور ہوئی، مگر وہ میرے مسلمان اہل میں سے تھا۔ پھر سارا معاملہ خدا کی طرف تفویض کرتے ہوئے کہا کہ بے شک، تیرا وعدہ ہو کر رہنے والا تھا اور تو سب سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے۔ غرض یہ کہ نوح کی یہ دعا صرف اس لیے ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو مسلمان خیال کر رہے ہیں، وگرنہ 'وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ[11]' کا حکم سابق اور نوح علیہ السلام کا طبعی مزاج، یہ دونوں تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اس کے لیے بالکل دعا نہ کریں، جیسا کہ انھوں نے اپنی بیوی سمیت کسی کافر کے لیے دعا نہیں کی۔

بہر حال، اللہ جو ہر کھلی اور چھپی ہوئی بات کا علم رکھتا ہے، اس نے نوح کو حقیقت حال بتاتے ہوئے کہا: 'اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ' کہ یہ تیرے مومن اہل میں سے نہیں تھا، یہ تو نہایت نابکار تھا۔ یعنی تم اسے مسلمان سمجھ رہے ہو، حالاں کہ یہ مسلمان تھا اور نہ کھلا کافر، بلکہ یہ تو ایک منافق تھا۔ پھر انھیں اس دعا سے یہ کہہ کر روک دیا: 'فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ' چنانچہ جس بات کا تمھیں علم نہیں ہے، اس کے بارے میں مجھ سے دعا نہ کرو[12]۔

اس کے بعد فرمایا: 'اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ' میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ یہ جذبات اصل میں ان کے وہی پدری جذبات ہیں۔ ان سے باز رہنے کی نصیحت مطلق نہیں، بلکہ اس بنیاد پر ہے کہ حقیقت واضح ہو چکی ہے، اس لیے اب ان جذبات سے مغلوب نہ ہونا اور اس کے لیے دعا بالکل نہ کرنا۔ نوح نے اسی ردعمل کا اظہار کیا، جس طرح کے ردعمل کا اظہار خدا کے ایک برگزیدہ نبی کو کرنا چاہیے تھا[13]۔ انھوں نے اپنی اس دعا کو ایک غلطی جانا اور خدا سے یہ کہہ کر التجا کی:

---

[10] مریم ۱۹: ۳-۴۔

[11] ھود ۱۱: ۳۷۔

[12] ایسا ہی معاملہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ہوا۔ آپ نے اس طرح کے کچھ لوگوں کے لیے دعائیں کیں تو آپ کو بھی یہ بتا کر اس سے منع کر دیا گیا کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں۔ التوبہ ۹: ۸۴۔

[13] جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام پر جب واضح ہو گیا کہ ان کا باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گئے۔ التوبہ ۹: ۱۱۴۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْلِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ.

’’پروردگار، میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے کوئی ایسی چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ اور (جانتا ہوں کہ) اگر تو مجھے معاف نہ کرے گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں نامراد ہو جاؤں گا۔‘‘

أللّٰهم أرنا الحق حقًا وارزقنا إتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا إجتنابه۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com